سمیرا حمید

سودا گر

قصہ خوانی جیسے بازاروں' کشمیر کی وادیوں' ان وادیوں کی اونچی نیچی ڈھلانوں پر چڑھتے' پھسلتے' صدائیں لگاتے ہوئے' وہ جانتا ہی نہیں تھا کہ وہ اتنا بڑا سوداگر بن چکا ہے کہ زرتاش سے اپنی محبت کا سودا اتنی چالاکی سے کر لے گا۔

وہ قالین بیچنے والا تھا..... گل شیر.....

بارش اور برف باری کے دنوں میں کبھی کوئی اسے روک کر قہوہ پلانا چاہتا تو وہ بہت خوش ہوتا تھا۔ وہ یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہتا تھا کہ وہ وادی میں رہنے والے لوگوں کی زندگیوں اور گھروں کا ایک حصہ ہے۔ شیر مال کھاتے ہوئے' مقبوضہ کشمیر کے حالات زیر بحث لاتے ہوئے' وہ بھول جاتا تھا کہ وہ قالین

www.ur

فروش ہے اور اسے اتنی اتنی دیر تک رک کر باتیں نہیں کرنی چاہئیں، ورنہ لوگ اسے بنجارا سمجھنے لگیں گے اور اس سے قالین لینا چھوڑ دیں گے۔ وہ اس سے قصے سننا چاہیں گے اور اسے مجبور کریں گے کہ وہ انہیں کوئی دعا دے کر جائے۔

لوگ اچھے، وہ بھی اچھا تھا اور اس کا نصیب بھی اچھا تھا، جب ایک شادی والے گھر کی خواتین نے اسے روک لیا اور میدانی علاقوں سے آئی مہمان خواتین نے اس سے دھڑا دھڑ کئی قالین خرید لیے۔

"کیا کرتے ہو؟" ایک خاتون نے پوچھا

وہ حیران ہوا پھر مسکرا دیا۔ "قالین بیچتا ہوں۔"

"اس کے علاوہ کیا کرتے ہو؟" دوسری نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ کیا کروں؟" وہ اس سوال پر بڑا حیران ہوا تھا۔

ویسے بھی سب لڑکیوں اور عورتوں نے اس کے گرد گھیرا بنایا ہوا تھا، اور وہ کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ وہ ٹھیک سے سانس لے رہا تھا اور ابھی تک گونگا نہیں ہوا تھا، یہ بھی کافی تھا۔

"گایا کرو....."

"گایا کروں.....؟" اس کے گال ایسے سرخ ہو گئے جیسے اس سے کہا گیا ہو۔ "لڑکیوں کے لیے گایا کرو۔"

جیسے کہا گیا ہو کہ قالین بیچنے کے لیے صدائیں تو لگاتے ہی ہو، دل کے لین دین کے لیے بھی لگا لیا کرو۔

ادل بدل کر لو سودا برا نہیں۔

"ہمارے یہاں جو قالین والا آتا ہے، وہ تو بڑا پیارا گاتا ہے۔"

وہ ہنس دیا۔ اب وہ گانا گائے یا کما کر کھائے۔ یہ امیر عورتیں بھی نا۔ انہیں بس باتیں بنانا آتی ہیں۔

"تھوڑا سا گا دو۔" شاید پردیسی عورت کو قالین والا یاد آ رہا تھا، ورنہ یقیناً اپنا دیس۔

"اب گا بھی دو۔ کتنا شرما رہے ہو۔" تین چار لڑکیاں کھلکھلا کر ہنسیں اور چہک کر کہا۔

اس نے جلدی سے اپنا سامان سمیٹا اور جانے لگا۔ وہ جانتا تھا جیسے ہی وہ کچھ بھی گائے گا، وہ سب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہونے لگیں گی اور پھر ہاتھ سے اشارے کر کر کے کہیں گی۔

"اور گاؤ نا! رک کیوں گئے۔ بہت اچھا گا رہے ہو، بس گاتے رہو۔"

"یہ قالین نئی دلہن کے کمرے میں بچھے گا۔ آؤ ذرا مدد کروا دو۔" گانے کی فرمائش کرنے والی نے اسے روک لیا۔

انہوں نے چار قالین خریدے تھے۔ اسے ان کی مدد کرنا ہی تھی۔ وہ اٹھا اور قالین کندھے پر لاد کر نئی دلہن کے کمرے میں جا کر بچھانے لگا۔

دیواریں سفید تھیں اور قالین سرخ۔ وہ مخمل کے پردے کے قریب کھڑا، جھک کر قالین کا کونا، دیوار کے ساتھ بٹھا رہا تھا، جب اسے دھکا لگا اور وہ قالین پر ہی ڈھیر ہو گیا۔ سب خواتین اور لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ شادی والے گھر میں ویسے بھی سب کو ہنسنے کا صرف بہانہ ہی تو چاہیے ہوتا ہے۔ اسی چکر میں کسی لڑکی کے ہاتھ سے مہندی کا تھال گر گیا تھا۔

"یا اللہ! یہ کیا ہو گیا۔ اب دوبارہ کون لائے گا مہندی۔"

نہ اس نے مہندی گرائی تھی، نہ وہ قصوروار تھا، لیکن چونکہ انہوں نے اس کے چار قالین خرید لیے تھے۔ اور گھر کے دوسرے ملازم شادی کے دوسرے کاموں میں مصروف تھے، اس لیے اسے بازار مہندی لانے کے لیے بھیج دیا گیا۔ دن کو مہندی کے لیے نکلنے والا، دن ڈھلے واپس آیا تو اسے کھانا اور قہوہ دے دیا گیا۔ وہ کھانا کھا چکا، قہوہ پی چکا تو اسے باہر کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا "رات ہو گئی ہے، اب کہاں جاؤ گے، کل صبح صبح نکل جانا۔"

باہر اتنا بھی اندھیرا نہیں ہوا تھا، اور وہ کوئی ایسا بھی ڈرپوک نہیں تھا لیکن شادی کے گھر کا ماحول ایسا

ugem.com

تھا کہ وہ رک گیا۔ چولہے کی راکھ میں دبی شکر قندی کھاتے ہوئے اُوپر سے آتی دف کی تھاپ سنتے ہوئے اپنے سرد ہاتھ کوئلوں کی تپش پر گرماتے ہوئے اسے اتنی لمبی مشقت بھری زندگی میں پہلی بار فراغت نصیب ہوئی تھی۔ باقی سارے ملازم اُوپر ہی تھے۔ وہ اکیلا ہی تہہ خانے میں بنے گودام میں بیٹھا تھا۔

"بہرے ہو کر بیٹھے ہو کب سے شش شش کر رہی ہوں۔"

اس نے اپنے چاروں طرف لحاف لپیٹا ہوا تھا۔ سر پر اونی ٹوپی تھی جس نے کان بھی ڈھانپ دیے تھے۔ سامنے آگ جل رہی تھی۔ وہ عورتوں کے گانے سن رہا تھا' وہ شش شش کیسے سنتا۔

"کس خیال میں ہو، سنتے کیوں نہیں؟"

اس نے سر اُوپر اٹھایا تو وہ سرنگ کی طرح بنی سیڑھیوں کے آخری کنارے پر کھڑی تھی۔ ایک پیر اُوپر کی سیڑھی پر تھا' اور ایک نیچے کی سیڑھی پر۔ اس کی مخملی فراک کا دامن' اس کے اگلے پیر کی جوتی کی نوک کو چھو رہا تھا۔ وہ سیڑھیوں کے عین سامنے' چولہے کے پاس بیٹھا' شکر قندی سے چھلکا اُتار رہا تھا اس کی بات سن کر اس کا ہاتھ وہیں کا وہیں رک گیا تھا اور اب وہ چپ چاپ' سر اٹھا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

پاؤں پٹختے ہوئے وہ نیچے آئی۔ تھوڑی چھن چھن ہوئی۔ کارنس پر سے دوسری لالٹین اٹھا کر اسے روشن کرنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ہاتھ میں پکڑی گرم شکر قندی کھائے' اپنا سر لحاف میں چھپا لے' یا سیڑھیاں پھلانگ کر اُوپر کی طرف بھاگ جائے۔

"جلدی کرو...... آ بھی جاؤ اب......"

لالٹین ہاتھ میں پکڑ کر' ایک ہاتھ سے فراک کا دامن سمیٹ کر' وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اسے خیال آیا کہ اسے قہوہ دیا گیا تو اس نے پی لیا۔ مہندی لانے کے لیے کہا گیا تو وہ لے آیا۔ تو اب اس نے اسے اٹھنے کے لیے کہا ہے تو وہ اٹھ جائے تو وہ اُٹھ گیا۔ وہ آگے چل رہی تھی۔ وہ پیچھے چلنے لگا۔ پھر وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ وہ بھی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

"اتنی آواز کیوں کر رہے ہو' ذرا دبے پاؤں چلو۔" ایک بار آدھی گردن موڑ کر اس نے کہا۔

تو وہ دبے پاؤں چلنے لگا۔ اتنا کہ اس نے ایک بار پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا کہ وہ پیچھے ہے بھی یا کہیں چلا گیا۔

"اب اتنی خاموشی سے بھی نہ آؤ کہ مجھے تم سے ہی ڈر لگنے لگے۔" وہ اس سے ڈرنے والی تھی' جو پہلے سے ہی اس سے ڈر چکا تھا۔

کتنی ہی دیر تک وہ ایک سے دوسری' دوسری سے تیسری سمت کی سیڑھیاں چڑھتی رہی۔ چھوٹی' بڑی' سرنگ نما سیڑھیاں۔ ایک کوٹھری نما کمرے کے باہر رک کر اس نے بڑا سا تالا کھولا اور اندر چلی گئی۔ وہ باہر ہی کھڑا رہا۔ اندر جانے سے ڈر گیا تھا۔

"زنجیریں پڑی ہیں کیا پیروں میں؟ آتے کیوں نہیں؟"

اندر سے وہ چلائی تو وہ بھی چھوٹے سے دروازے سے سر جھکا کر اندر چلا گیا۔ وہاں بڑے بڑے لکڑی کے صندوق ایک دوسرے کے اُوپر رکھے ہوئے تھے۔ ایک بڑے سے صندوق کا ڈھکن کھول کر وہ خم کھا کر جھکی ہوئی اس میں سے کچھ تلاش کر رہی تھی۔ چیزیں اور کپڑے ادھر ادھر کر رہی تھی۔

وہ ایک قدم پیچھے ہٹا...... پھر دو قدم...... پھر تین قدم......

اس کا جی چاہا کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑ لے اور اس بڑے سے صندوق میں اس کے ساتھ چھپ کر بیٹھ جائے۔ باہر سے تالا لگا دے۔ اور خود اس کے ساتھ' کسی دوسری دنیا میں نکل کر کھو جائے۔ ایسی دنیا میں جہاں وہ قالین والا نہ ہو' بلکہ گانے والا ہو۔ وہ اسے سامنے بٹھا لے اور گانا گائے۔ وہ سامنے بیٹھی رہے اور اسے سنتی رہے۔

"اسے نیچے اتار دو۔" ایک طرف اشارہ کر کے'

www.urc

وہ خود کسی دوسرے صندوق کا ڈھکن کھول کر دیکھنے لگی۔

اس نے کتنے ہی صندوق اوپر سے اُتار کر نیچے رکھ دیے۔ اِدھر سے اُدھر کیے۔ اس طرح کیے اور اتنی بار کیے کہ اب بس وہ سر گھما کر صندوق کی سمت دیکھتی تھی اور وہ اسے اٹھا کر نیچے رکھ دیتا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اسے اسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اب تک جو اس نے قالین بیچنے کا کام کیا تھا' وہ سب صرف خسارے کا سودا تھا۔

وہ سودائی تھا۔ دیوانہ تھا۔

''یہ بھی خالی کر دیا۔ یہ بھی لے لیا۔ ہائے! میری ماں کی چیزیں اس ڈائن کو دے دیں۔''

ہائے ہائے کرتے جب اس کی ہمت جواب دے گئی تو کسی ایک کا ڈھکن بند کر کے وہ اس پر بیٹھ کر رونے لگی۔ اپنی آستین سے آنسو پونچھنے لگی۔

اس کی جیب میں ایک رومال تھا' وہ اسے یہ رومال دینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے آنسو اس کے رومال کی دسترس میں آجائیں۔ پھر وہ اس رومال کو سنبھال کر رکھ لے اور ساری زندگی اس ایک رومال کے سہارے گزار دے۔ وہ قالینوں کے ساتھ ساتھ اپنا آپ بھی بیچ دے لیکن صرف ایک اس رومال کے لیے اپنی جان بھی دے دے۔

وہ چپ چاپ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔ وہ سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔ اس نے آج تک عورتوں کو بڑا ہنستے' لڑتے' چیختے چلاتے اور گاتے ہوئے سنا تھا۔ ایسے ایک چھوٹے سے کمرے میں' نیم تاریکی میں صندوق پر بیٹھ کر روتی ہوئی لڑکی اسے پہلی بار ملی تھی۔ پشمینہ شال اوڑھے ہوئے' مخمل کی فراک پہنے ہوئے۔ زیرلب چڑیل' ڈائن کہتے ہوئے۔

ایک ایک کر کے وہ اپنے سارے قالینوں کے رنگ بھول گیا۔ لکڑی کے دروازے کی زنجیر کی ٹھنڈک اس کی پیٹھ میں اتر رہی تھی۔

اس کے کچھ قیمتی خزانے جو صندوقوں سے چرا لیے گئے تھے وہ اس پر رو رہی تھی۔ اس کی ایک اکلوتی قیمتی چیز جواب اس کے سینے میں بھی موجود نہیں رہی تھی' وہ اس پر خوش ہو رہا تھا۔ باہر اتنی ٹھنڈ تھی' اور اب اندر یہاں کیسا الاؤ جلنے لگا تھا۔ لکڑی کا دروازہ جو بند تھا' اگر قیامت تک ایسے ہی بند رہتا تو وہ ساری عمر اس کے ساتھ ایسے ہی پیٹھ لگا کر کھڑا رہ سکتا تھا۔ اگر وہ ایسے ہی سامنے بیٹھی رہتی۔

''تم نے بھی مجھے نہیں بتایا' وہ چڑیل میری ماں کا سب کچھ لے اُڑی۔'' آنکھیں پونچھ کر اس نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ کسی کا سب کچھ تو تم بھی لے اُڑی ہو۔

''کتنی بار تم سے کہا تھا، آنکھیں کھول کر رکھنا۔ مجھے اطلاع بھجوا دینا۔ دیکھو اب' لٹ گئی میں۔''

''دیکھو ذرا لٹ گیا میں.....'' وہ زیرلب بڑبڑایا۔ ''دیکھو ذرا لٹ گیا میں۔'' دوسری بار بھی بڑبڑایا۔

''بولتے کیوں نہیں ہو۔ تم بھی غدار نکلے..... میرے باپ نے سب کو خرید لیا ہے۔''

جسم کا ایک ہی لوتھڑا' ہمیشہ غدار نکلتا ہے۔ بڑی جلدی بک جاتا ہے۔ نہ کوڑیوں کے بدلے، نہ اشرفیوں کے بھاؤ' فقط ایک لمحے میں اس کے قدموں میں جا گرتا ہے۔

''بہانے سے مجھے بتانے آ نہیں سکتے تھے۔''

نہ بہانا چلا نہ تدبیر..... صدائیں لگانے والا' صدا لگائے بغیر سب کچھ ہار گیا۔

اب وہ اپنی آنکھیں بند کر لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ چلتی ہوئی اس کے پاس آ گئی تھی اور کچھ اٹھا کر اسے دے مارنا چاہتی تھی۔ اگر وہ اس کا گریبان پکڑ لیتی..... اگر وہ اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیتی..... وہ مر جاتا..... کھڑے کھڑے مر جاتا۔

''میں مار ڈالوں گی اس چڑیل کو۔ ڈائن نے ہمت کیسے کی ان چیزوں کو ہاتھ لگانے کی۔''

gem.com

وہ جسے مار ڈالنا چاہتی تھی' اسے مار چکی تھی۔ پلٹے سے اس کا گریبان پکڑ کر دونوں ہاتھوں سے جھنجوڑ رہی تھی۔ وہ اس کے ہاتھوں کی تپش دل پر محسوس کر رہا تھا۔ وہ ایک دم سے' گر پڑنے کے انداز سے اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''معافی نہیں ملے گی' دفع ہو جاؤ یہاں سے۔''

پلٹ کر اس نے لالٹین اٹھائی اور جب وہ دہلیز پھلانگ کر جانے لگی تو اس نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''میں کیا کروں گا اب؟'' اس نے اپنا سر جھکا لیا اور نظریں بھی۔

وہ رکی اور گھور کر اسے دیکھا۔ پھر لالٹین والا ہاتھ اٹھا کر اس کے منہ کے قریب لائی۔ دونوں کے درمیان روشنی کا ہالہ بن گیا۔

''معافی نہ دو لیکن ایسی سزا بھی نہ دو۔''

''کون ہو تم..... ہاتھ چھوڑو میرا.....'' وہ چونک گئی۔ بدک کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

وہ کیا بتاتا' قالین بیچنے والا' صدائیں لگانے والا۔ پہلے اچھا بھلا تھا، اب ہرا چھے بھلے کو بھلا بیٹھا۔

''بابا نے نیا ملازم رکھا ہے تمہیں؟'' اس نے تھوک نگلا۔ وہ کس کے ساتھ اس بند کوٹھری میں تھی۔

وہ خاموش رہا۔

''میں سمجھی دریا خان ہو۔ اچھا سنو! میں یہاں آئی تھی' کسی کو نہ بتانا۔ اب تم جاؤ۔''

وہ نیچے آ گیا۔ میوے کی مٹھیاں بھر کر منہ میں ٹھونستے ہوئے دریا خان نے دانت نکال کر اسے دیکھا۔

''شادی والا گھر ہے' دو تین دن رک جاؤ' اچھے دام مل جائیں گے۔ گاؤں سے لوگ منگوائے تھے' ابھی تک نہیں آئے۔ کل سے بارات کا کام شروع ہو جائے گا۔ بڑے کام ہوں گے۔ کیا کہتے ہو بخشش الگ سے ملے گی۔''

اس نے سر ہلا دیا۔

دو دن بارات کے کام کرتا رہا۔ سب اسے قالین والا' قالین والا کہہ کر بلاتے رہے۔ تیسرے دن' بارات آنے سے پہلے وہ' نئی دلہن' اس کی سوتیلی ماں کے کمرے کے قریب سے گزرا تو وہاں وہ لڑتی جھگڑتی ہوئی نظر آئی۔ وہ اپنی سوتیلی ماں کے گلے کے ہار میں اپنا ہاتھ پھنسا کر اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ پھر ایک مرد آیا اور اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور اسے خاتون سے الگ کیا۔

''میں مر جاؤں گی..... سن لیں... اس سے کہیں واپس کرے میری ماں کی ساری چیزیں۔''

''جاؤ..... اب مر کے دکھا بھی دو.....'' تھپڑ مارنے والے نے نفرت سے کہا۔

''ایک کی شادی اور ایک کا جنازہ، مبارک ہو آپ کو۔'' اس نے بھی نفرت سے ہی کہا۔

شادی کا جو سامان کمرے میں رکھا تھا' اور جو کچھ وہ ایک ہاتھ مار کر گرا سکتی تھی' ان سب کو گراتی' پھینکتی' پھلانگتی ہوئی وہ باہر کی طرف بھاگی۔ گھر سے نکل کر دور پہاڑ کی بلندی کی طرف۔

وہ بھاگ رہی تھی تو وہ بھی اس کے پیچھے بھاگنے لگا اور جوں ہی کود جانا چاہا' اس وقت اس نے اسے پیچھے سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس کی طرف اس کا پورے کا پورا دل کھنچ گیا۔ وہ جان سے کھیل رہی تھی۔ وہ اس کی جان سے کھیل رہی تھی۔

''تم مرنا چاہتی ہو نا؟''

دو دن میں ہی وہ اس گھر کی ساری کہانی جان گیا تھا۔ وہ گھر کے مالک' دلہن کے باپ کی دوسری بیوی کی اکلوتی اولاد تھی۔ جو اپنے نانا کے گھر میں رہتی تھی۔ وہ اپنے باپ کو اور اس کی نئی نویلی بیوی کو اپنی ماں کا قاتل سمجھتی تھی اور کتنی ہی بار پہاڑوں پر چڑھ کر انہیں مرنے کی دھمکی دے چکی تھی۔

''تو مجھ سے شادی کر لو۔''

وہ قالین بیچنے والا تھا۔ جانتا تھا' خرید و فروخت کیسے کی جاتی ہے۔ وہ جان گیا تھا' جو جان سے جا رہا

www.urduc

ہو باپ کی دوسری بیوی کی ناخلف اولاد ہو' گھر میں جس کا درجہ پرانے برتن سے زیادہ نہ ہو' ایسے جوہر کو کس دام پر خریدا جاسکتا ہے۔

وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دوپٹا ہوا میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ گیلی سرخ آنکھیں' باپ سے بدلے کی آگ میں جل رہی تھیں۔ باپ سے سارے حساب بے باق کرنے کا اس سے اچھا موقع اسے کب ملنے والا تھا۔

اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ واپس گھر کی طرف آگئی۔ اور جس وقت دلہن اپنے باپ کے سامنے کھڑی ہو کر' اس کی نیک تمنائیں سمیٹ رہی تھی' اس وقت اس کا ہاتھ تھام کر وہ بھی اپنے باپ کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی

"مجھے بھی ہمیشہ کے لیے یہاں سے رخصت کر دیں۔ میں شادی کروں گی تو صرف اس سے۔"

کمرے میں کھڑی ساری عورتیں' اور دور سے آتی بارات کی شہنائیاں' سب ایک لمحے کے لیے ساکت ہوگئیں۔ اس کی سوتیلی ماں نے' اس کی ماں کے ہار پر طنز سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے بوڑھے شوہر کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے' خدا کے لیے خاموش رہیں۔ بارات دروازے پر کھڑی ہے۔ ورنہ اتنی رسوائی ہوگی کہ مٹائے نہیں مٹے گی۔"

☆☆☆

باپ سے اس کی نفرت کا' قالین والے نے اپنے دل کے ساتھ بروقت سودا کرلیا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر' اپنے کارخانے واپس آگیا تھا۔ جہاں زمین پر لکڑی کے سیدھے تختے پر پرانا قالین بچھا تھا۔ کونے میں کھانے پکانے کا کچھ سامان رکھا تھا۔

قالین والا گل شیر' جتنے رنگوں کے قالین بیچتا تھا' اس کا کمرا اتنا ہی بے رنگ تھا۔ اسے جس لڑکی سے نیم تاریک کوٹھری میں صندوق کھسکاتے ہوئے محبت ہوچکی تھی' وہ لڑکی اس کے ساتھ اس کمرے میں پتھر کا بت بن چکی تھی۔

پھر ایک دم اس نے کھڑے کھڑے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا۔ پھر وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اس کی سرخ فراک کا گھیر پورے کمرے میں پھیل گیا تھا۔ وہ کچھ ایسے دل دوز انداز میں رو رہی تھی کہ وہ سب سمجھ گیا۔ پھر وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"باپ سے میری نفرت کا تم نے کتنا فائدہ اٹھایا۔ ذلیل انسان۔"

اس نے فائدہ اٹھایا تھا' لیکن اگر وہ اسے ایسے حاصل نہ کرتا تو کیسے کرتا۔

کون تھا جو اسے یہ یقین دیتا کہ وہ اس کی ہو جائے گی۔ کون تھا جو اس کی ساری زندگی کی غلامی پر بھی اسے اس کا آقا بنا دیتا۔

کمرے کی ٹھنڈ' اور اس کی نفرت کے الاؤ' نے اس پر وہ رات بہت بھاری کردی تھی۔ وہ ساری رات سسکتی رہی تھی۔ اس نے انگیٹھی جلا کر اس کے قریب کردی تھی۔ وہ اسے گرم شال اوڑھانے لگا تو اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"میں اپنا باپ پیچھے چھوڑ آئی ہوں' پہاڑ نہیں..... کہیں سے بھی کود جاؤں گی۔"

پہلے وہ باپ کی نفرت میں کود جانے والی تھی' اب قالین بیچنے والے کی محبت سے۔ سات سال کی عمر سے قالین بیچنے والے کو اب معلوم ہوا تھا کہ کچھ سودے سستے ہو کر بھی بہت مہنگے پڑتے ہیں۔ اسے آج ہی معلوم ہوا تھا کہ وہ کتنا لالچی تھا۔ اسے جس سے محبت ہوئی' اس سے ایک پل دور رہنا اس نے گوارا نہ کیا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا تھا کہ پشمینہ کی شال اور کھدر کے کرتے کا کوئی جوڑ نہیں ہوتا۔ وہ ایک یتیم مسکین لڑکا تھا' جو کارخانے میں پل کر بڑا ہوا تھا۔ اسے اب معلوم ہوا تھا کہ وہ کتنا شاطر' کتنا چالاک اور کتنا سنگدل تھا۔

وہ اٹھا اور ایک دن کی دلہن' اور چھ دن کی محبت

.gem.com

کے قدموں کے قریب بیٹھ گیا۔
"مجھے معاف کردو زرتاش!" اس نے ہاتھ بھی جوڑ دیے۔
زرتاش نے سر اٹھا کر اسے کچھ ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ وہ اپنی جگہ پر کانپ کر رہ گیا۔
"معاف کیا' اب میرا گلا گھونٹ دو۔"
چھ دن پہلے تک وہ اس کارخانے میں بہت سکون کی نیند سویا کرتا تھا۔ چھ دن پہلے اس کی زندگی تین وقت کی روٹی' اور دن بھر کی دوڑ دھوپ کا نام تھی۔ اگر اسے ایک محبت نہ ہو جاتی تو وہ ویسا ہی بے فکرا ہوتا جیسے پہاڑی نالہ۔
ایسا ہی شفاف ہوتا جیسے ندی کا پانی۔
جیسے آبشار کا دہانہ..... ایک محبت نے اسے کیا سے کیا بنا دیا تھا۔
"میرا گلا گھونٹ دو یا زہر دے دو مجھے۔"
پہلے تو وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر وہ کہے بغیر رہ نہیں سکا۔
"میں کل تمہیں گھر چھوڑ دوں گا۔"
"اس گھر میں اب میری لاش بھی نہیں جا سکتی۔" وہ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
"میں تمہارے بابا کے قدموں میں گر جاؤں گا، کہہ دوں گا کہ میں نے تمہیں بہکا دیا تھا۔ تم بالکل معصوم ہو۔"

☆☆☆

وہ بابا کے قدموں میں گر گیا۔ "آپ کے اس ہیرے کے لیے میرے پاس نہ چاندی کی تھالی ہے نہ سونے کی۔ اب اس ہیرے کو کس طاق پر رکھوں۔ مجھے معاف کر دیں۔"
کہہ کر وہ چلا گیا۔ ایک ہفتے بعد اسے طلاق دینے کے لیے جانا تھا' لیکن سات دنوں کو اس نے سات صدیاں بنا لینا چاہا۔ آٹھویں دن وہ اس لیے نہیں گیا کہ وہ ایک اور آخری دن اس کا شوہر بن کر رہنا چاہتا تھا۔ نویں دن اس لیے نہیں جا سکا کہ وہ بیمار تھا۔ بیمار کو اتنی چھوٹ تو ہوتی ہے۔ دسویں دن وہ اپنے کارخانے سے دور، بہت دور چلا گیا کہ کہیں زرتاش کا باپ اسے تلاش کرتا ہوا وہاں نہ آ جائے۔
ایک مہینے کے اندر اندر اس نے کشمیر اور اس کی ساری وادیاں بہت دور پیچھے چھوڑ دیں۔ ایک سال کے اندر اندر اس نے قالینوں کا کام چھوڑ دیا کہ کوئی اسے قالین والے کے نام سے ڈھونڈتا ہوا نہ آ جائے اور کہے.....
"زرتاش کا باپ تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہے' طلاق دو اسے اور جان چھوڑو، ان کی۔"
وہ زرتاش کی جان چھوڑ دیتا لیکن پہلے اسے اپنی جان چھوڑنی پڑتی۔ وہ بے حد ظالم ہو گیا تھا۔ محبت نے اسے کمزور بنا دیا تھا۔ جہاں کوئی رک کر سلام کرتا وہ ڈر جاتا کہ اب کوئی اسے پہچان نہ لے۔ کتنے دن' مہینے' موسم وہ خود سے یہی کہتا رہا کہ ایک دن اور، بس ایک اور دن، پھر میں جا کر زرتاش کو طلاق دے دوں گا۔ اسے آزاد کر دوں گا۔ وہ جہاں چاہے گی شادی کر لے گی۔

☆☆☆

"پہلے تو تم کہتی تھیں اس کے بغیر مر جاؤں گی، اب مرتیں کیوں نہیں؟"
جب وہ اسے واپس اس کے باپ کے گھر چھوڑ گیا تو بابا نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔ باپ کو نیچا دکھانے کے لیے اس نے جو جھوٹ بولا تھا، باپ اسی کا طعنہ دے رہا تھا۔ وہ کبھی باپ کی محبت نہیں سمیٹ سکی تھی، اگر اس کی ماں جوانی میں ہی نہ مر گئی ہوتی تو وہ اپنے باپ سے اتنی نفرت نہ کرتی۔ گل شیر سے شادی کر کے وہ بابا پر یہ ثابت کرنا چاہتی کہ اس نے ماں کے ایک ایک آنسو کا حساب برابر کر لیا ہے۔
"جواب دو زرتاش! تم اپنی ماں پر گئی ہو، کم عقل اور جذباتی۔"
وہ یک ٹک اپنے باپ کی صورت دیکھ رہی تھی۔ اس کی ماں بھی اسی کی طرح حسین و جمیل تھی، وہ کم

www.urdu

عقل تھی، اسی لیے سامنے کھڑے انسان سے محبت کرنے لگی تھی۔ جذباتی تھی، اسی لیے ایک جھوٹی محبت کے نام پر اندھی ہوگئی تھی اور جیتے جی مر گئی تھی۔ اس کی ماں سمجھتی تھی کہ وہ صرف اس سے محبت کرتا ہے بھلا جو شخص تیسری شادی کر رہا ہو وہ پہلی اور آخری بار محبت کیسے کر سکتا ہے۔

"بہت کم عقل ہوں میں۔"

وہ زیر لب بڑبڑائی اور بھاگتے ہوئے گھر سے باہر نکلی۔ وادی میں نکل کر اس نے حلق کے بل "گل شیر" چلانا چاہا۔ وہ اتنی سی بات بہت دیر میں سمجھی تھی کہ اسے اپنے باپ جیسا انسان نہیں چاہیے۔ جو شخص صرف ایک رات میں ہی اس کی سسکیاں سن کر، اس کے قدموں میں آ کر بیٹھ جائے اور اس کے آگے ہاتھ جوڑ دے، وہ انسان اس کے باپ کی طرح دل کا کھوٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ نے اسے وہ دل دیا تھا جس دل پر اس کا نام پہلا بھی تھا اور آخری بھی۔

وہ اس پہاڑ پر چڑھ گئی جس سے کود کر وہ اپنی جان دے دینا چاہتی تھی۔ وہاں کھڑی ہو کر وہ زار و زار رو رہی تھی، وہ آخری لمحہ جب وہ ہاتھ جوڑ کر بابا سے معافی مانگ رہا تھا اور ایک آخری بار اسے نظر اٹھا کر دیکھا تھا، وہ اسے یاد آ رہا تھا۔ اس ایک نظر میں گل شیر نے اسے پوری طرح سے جکڑ لیا تھا۔ زندگی بھر جینے کے لیے، سانس کے ساتھ سانس لینے کے لیے، وہ ایک نظر اس نے سنبھال کر رکھی تھی۔

وہ جان گئی تھی..... لیکن اسے کھو چکی تھی۔

وہ جان گیا تھا، اگر وہ ایک اور دن زرتاش کو دیکھے بغیر رہا تو مر جائے گا۔ اسے دیکھنے کے بعد مرنے کا فیصلہ کرنے کے لیے وہ واپس اس کی وادی میں پہنچ گیا۔ چھپ کر اس کے گھر کے چکر لگانے لگا۔ ڈھلانوں پر مٹر گشت کرتا رہا۔ کبھی کسی کھڑکی کے نیچے کھڑا ہو کر، کبھی دور اونچائی پر چڑھ کر اس نے زرتاش کی ایک جھلک کا انتظار کیا۔

ایک بار وہ کھڑکی میں تھوڑی دیر کے لیے آئی، دور پہاڑوں کی سمت دیکھا اور پھر کھڑکی بند کر کے چلی گئی۔ وہ دوبارہ پھر کھڑکی میں آئے گی، اس انتظار میں اس نے کتنے ہی دن وادی میں بھٹکتے ہوئے گزار دیے تھے۔ برف باری شروع ہوئی، تو اس کی واپسی کا راستہ بند ہو گیا۔ وہ ایک چھوٹے سے قہوہ خانے میں ایک طرف پڑا رہتا تھا۔

ایک دن اس نے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا اور وہ گھر کے اندر چلا گیا۔ ملازم اسے بڑے کمرے میں لے گیا۔ وہاں آتش دان روشن تھا۔ زرتاش کا باپ، کرسی پر جھول رہا تھا۔ اسے ایک نظر دیکھا اور پھنکار کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔ جیتے جی اسے مار دیا۔ دیوانہ بنا گئے اسے۔ وہ پاگل بھی ہمیشہ بعد میں ہی سوچتی ہے۔"

وہ چپ چاپ سر جھکا کر کھڑا رہا۔ اسے اُوپر سے تیزی سے سیڑھیاں پھلانگنے کی آوازیں آئیں۔ اکھڑی ہوئی سانسوں کے ساتھ وہ اس کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اگر وہ پلٹ کر دیکھ لے گا، تو پتھر کا ہو جائے گا۔

دیوانہ۔ سودائی۔

پھر وہ اسے چھوڑ نہیں سکے گا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ اس کے گریبان پر اس کے ٹھنڈے ہاتھ رکے اور وہ اسے جھنجوڑنے لگی۔

"اتنی بڑی سزا..... بولو، اتنی بڑی سزا..... میرا سب کچھ لے گئے اور مجھے یہاں اکیلا چھوڑ گئے۔ تم بے ایمان سوداگر ہو، سارا نفع اپنے پاس رکھ کر، مجھے نقصان سونپ دیا۔" وہ رو رہی تھی۔

"معافی نہ دو لیکن ایسی سزا بھی نہ دو گل شیر! مجھے اپنے ساتھ لے جانا، انتظار کے لیے پیچھے نہ چھوڑ جانا۔"

وہ اس کے سامنے آئی تھی تو رو دی کیوں تھی؟

قالین بیچنے والے سوداگر نے اپنے غدار دل، اور غلام جان کے عوض کی گئی اس "محبت" کے آنسو رومال سے پونچھ دیے۔ یہ رومال جسے وہ تعویذ بنا کر رکھے گا۔ یہ زرتاش، جسے وہ جان سے لگا کر رکھے گا۔

☆

ugem.com